اس اخیر دور میں ہماری غفلت و بے عملی کا یہ عالم ہو گیا تھا کہ دوا کے نام پر تو چند مفردات کے عصارے اور جوشاندے پینے یا چند معاجین و خمیرہ جات چاٹ لینے پر اکتفا کر لیا گیا اور سرجری کے نام پر بس پھوڑے پھنسی کو ٹھیک کرلینے، ٹوٹی ہڈی پر محض ظن و تخمین سے اس کو سیدھا کر کے چند کھپچیاں باندھ دینے یا کوئی چھوٹا موٹا پھوڑا پھنسی چیر دینے کو کافی سمجھ لیا گیا۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دنیا کی ہر چیز، ہر نظریہ، ہر قوم، ہر تہذیب، ہر علم و فن حتیٰ کہ ہر مذہب کے پیروؤں پر عروج و زوال کے سائے پڑتے رہتے ہیں جس کو پیغمبر آخر الزماں نبی امی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے متعلق پیشین گوئی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ ان اللہ تعالیٰ یبعث لھذہ الامتہ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا[۱۵۶] یعنی (خدائے تعالیٰ نے امّتِ مسلمہ کے لئے یہ طے کر دیا ہے کہ) اس اُمّت میں ہر صدی میں کوئی نہ کوئی ایسی شخصیت سامنے آتی رہے گی جو اس کو حیاتِ نو بخشے گی اور غفلت و کوتاہی کو ختم کر کے اس کو پھر سے قریب لے آیا کرے گی۔

اس اصول کی روشنی میں یہ بات تو لازمی ہے کہ ہر علم و فن پر زوال و انحطاط کا سایہ پڑے خواہ وہ کتنا ہی جاندار اور بقاء و زیست کی صلاحیتوں سے کتنا ہی مالا مال ہو، مگر اس کے احیاء و تجدید کی کوشش بہر حال ضروری ہے۔ دنیا کے مختلف علوم و فنون کی تاریخ کے مطالعے سے کچھ یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے قدرت نے علم و حکمت اور فضل و کمال اور انسانیت کی خدمت

---

۱۵۴ یوسف الیان سرکیس، معجم المطبوعات العربیہ ص ۸۳۳ بمادۃ خلف۔

۱۵۵ ڈاکٹر امین اسعد خیر اللہ، الطب العربی ص ۲۵۹ الملحق الرابع، والزرکلی، الاعلام ج ۲ ص ۱۴۸ (طبع ۳)

۱۵۶ رواہ ابوداؤد والحاکم والبیہقی فی کتاب المعرفۃ عن ابی ھریرۃ، قال الحافظ العراقی: سندہ صحیح۔ (فیض القدیر ج ۲ ص ۲۸۱)۔

کے بارِ امانت کو جو انسانیت کے کاندھوں پر رکھا ہے تو قدرت ہمیشہ کچھ عرصے بعد اس کو کاندھا بدلنے کی مہلت بھی بخشتی ہے، یہ بار اگر وہ کچھ عرصہ کلدانیوں کے کاندھے پر رکھتی ہے تو اس کے بعد یونانیوں کو بھی اس کا موقع دیتی ہے اور جب انسانیت کا یہ کاندھا تھک جاتا ہے تو پھر عرب اور اہلِ اسلام کے مستعد اور توانا کاندھے سامنے آتے ہیں مگر جمود و خمود اور اختلال و اضمحلال سے تو سوائے ربِّ ذوالجلال کسی کو چارہ نہیں آخر ان میں بھی ضعف آیا اور پھر یہ بارِ علم و حکمت اہلِ یورپ کی طرف منتقل ہوا مگر زمانے کے تیور یہ بتا رہے ہیں کہ اہلِ اسلام کا کاندھا ستا کر اور آرام لے کر پھر سے مستعد ہو رہا ہے۔ اور خوابِ غفلت سے بیدار ہو کر آنکھیں ملتا ہوا یہ پھر میدان میں اُترنا چاہتا ہے۔

اس خاص موقع پر میں نے ضروری سمجھا کہ اپنے محدود علم و مطالعے کی حد تک ان کے ماضی کی شمعوں سے آئینہ دکھا کر ان کے مستقبل کے لئے روشنی کا سامان کروں تاکہ اپنے بزرگوں کے کارنامے کو دیکھ کر کچھ حوصلہ بلند ہو یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُبَیِّنَ لَکُمْ وَیَھْدِیَکُمْ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ۔[1] (اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ تمہارے سامنے صاف صاف بیان کر دے۔ اور تمہیں ان لوگوں کی راہ دکھا دے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں)۔

آخری گزارش مقالے کے اخیر میں میں اس فن کے ماہرین اور بالخصوص تاریخِ طب کے فضلا کی خدمت میں عرض گزار ہوں کہ گزشتہ سطور میں آپ نے جو کچھ پڑھا ہے یہ ایک طالبعلمانہ کوشش کا ماحصل اور منتشر و متفرق یادداشتوں کا مجموعہ ہے اس میں خامیوں کا ہونا غیر متوقع نہیں ہے اگر اس میں کوئی بات کسی کے لئے نفع بخش ہے تو وہ محض توفیقِ الٰہی کی دستگیری ہے، اور اگر کوئی خامی یا نقص ہے تو اس کے لئے میں فضلاء فن سے رہنمائی اور مفید مشوروں کا خواستگار ہوں۔

الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ والصلوٰۃ
والسلام علی سیدنا محمد وعلی الہ واصحابہ واتباعہ اجمعین

---

[1] سورۂ نساء آیت ۲۶

وفیات

مولانا ابوسلمہ شفیع احمد بہاری رح

از قاضی اطہر مبارکپوری

بہار کی سرزمین سے آخری دور میں جو چند نامور علماء پیدا ہوئے ان میں جناب مولانا ابوسلمہ شفیع بہاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے علم و فضل، تقویٰ طہارت، دینی و علمی خدمت، نیک نفسی، تدریس و تعلیم، تصنیف و تالیف، ارشاد و تبلیغ اور دیگر دینی و علمی کارناموں کی وجہ سے خاص مقام و مرتبہ رکھتے ہیں، افسوس کہ علم و عمل کا یہ چراغ دوشنبہ ۲۲ر دسمبر ۱۹۸۵ء کو کلکتہ کی سرزمین میں بجھ گیا رحمہ اللہ علیہ وغفر اللہ لہ۔ نماز جنازہ جناب مولانا حکیم محمد زماں صاحب حسینی نے پڑھائی، عام اندازہ کے مطابق جنازہ میں تیس چالیس ہزار مسلمان شریک تھے، جو مولانا مرحوم کی عند اللہ و عند الناس مقبولیت کا کھلا ہوا ثبوت ہے۔

مولانا مرحوم نے نام و نمود سے نفور اور شہرت و ناموری سے دور رہ کر پوری زندگی دینی و علمی خدمات میں بسر کی، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی زندگی کا خاکہ ناظرین کے سامنے آجائے، آپ ۱۹۱۲ء میں بہار شریف میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے والد مولانا حکیم امیر حسن صاحب رح سے حاصل کی، اور عربی کی ابتدائی کتابیں اپنے خسر مولانا اصغر حسین صاحب رح پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ سے پڑھیں، اس کے بعد مدرسہ قومیہ میں داخل ہو کر سند حاصل کی، پھر مدرسہ عزیزیہ بہار شریف میں داخلہ لیا، ان دنوں مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم بھی اسی مدرسہ میں زیر تعلیم تھے، دونوں حضرات کی دوستی یہیں سے شروع ہوئی اور آخری وقت قائم رہی، آخر میں دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے، یہاں ایک سال رہ کر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سورت (گجرات) چلے گئے، اور وہیں سے سند فراغت پائی، آپ کے اساتذہ میں مولانا محمد انور شاہ کشمیری رح، مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رح اور مشہور ادیب مولانا ابو عبداللہ بن یوسف

سورتی رح ہیں، مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی رح سے بھی بعض کتابیں پڑھیں فراغت کے بعد وطن آکر مدرسہ قومیہ میں تعلیم و تدریس میں لگ گئے، اسی کے ساتھ سیاسی اور ملی وقومی تحریکات میں حصہ لیتے رہے، سیاسیات میں کانگریس کمیٹی میں رہ کر کام کیا، مگر ۱۹۴۷ء کے بعد عملاً اس سے علیحدہ ہو گئے۔

۱۹۴۸ء میں امام بیہقی رح کی مشہور و معروف کتاب معرفۃ السنن والآثار کا پہلا حصہ تعلیق و تصحیح کے بعد شائع کیا، ۱۹۴۹ء میں مدرسہ عالیہ کلکتہ میں حدیث و تفسیر کے استاذ مقرر ہوئے اور اس عہدہ کو نہایت ذمہ داری اور قابلیت کے ساتھ پورا کرنے کے بعد ۱۹۷۲ء میں ریٹائر ہوئے، اس کے بعد ادارۂ ترجمہ و تالیف کی بنیاد رکھی اور اس ادارہ سے امام ابن قتیبہ رح کی کتاب المعارف سے سیرۃ الرسول کا اردو ترجمہ مفید حواشی کے ساتھ شائع کیا اور دیگر کتابیں بھی اس ادارہ سے شائع کیں، ۱۹۵۰ء میں مولانا سید سلیمان ندوی رح کے مضامین کا مجموعہ سید صاحب کے دیباچہ کے ساتھ شائع کیا، ۱۹۶۲ء سے ۱۹۸۵ء تک خلافت کمیٹی کلکتہ کے زیر اہتمام عیدین کی امامت فرمائی، وعظ و خطابت میں خاص ملکہ رکھتے تھے، ان کی تقریر عالمانہ اور پُرمغز ہونے کے ساتھ بڑی دلچسپ ہوتی تھی اس لیے عوام و خواص دونوں طبقے ان کی تقریر کے شیدائی تھے، زورِ بیان اور طرزِ خطابت میں امتیاز حاصل تھا، بڑے بڑے دینی جلسوں میں ان کی شرکت ہوتی تھی، اسی کے ساتھ کلکتہ کی مختلف مسجدوں میں درس قرآن دیا کرتے تھے، ان میں ٹیپو سلطان کی مسجد، شاہی مسجد، چترنجن ایونیو کی مسجد، راجہ بازار کی جامع مسجد اور سبزی منڈی کی مسجد میں درس قرآن کی بڑی اہمیت و افادیت تھی، حال کی بات ہے کہ جب کلکتہ ہائی کورٹ میں قرآن مجید کے خلاف ایک اسلام دشمن نے مقدمہ دائر کیا تو مولانا کی تحریک پر عالموں، دانشوروں اور مسلم وکیلوں نے دفاع قرآن کمیٹی قائم کی، جس نے بر وقت مسلمانوں کی رہنمائی کی، مولانا مرحوم نے دفاع قرآن کمیٹی کو بیس ہزار روپیہ کی کتابیں عنایت فرمائیں جن کو فروخت کرنے کے بعد بیس ہزار کی رقم دفاع